ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

"اُردو تنقید بیسویں صدی میں"

(URDU CRITICISM IN 20TH CENTURY)

Kiran Rubab Naqvi, کِرن رُباب نقوی،
Urdu Department, MY University, Islamabad شعبہ اُردو، مائی یونیورسٹی، اسلام آباد
Kiran_rubab@yahoo.com

Prof. Dr. Baqir Waseem, پروفیسر ڈاکٹر باقر وسیم،
Urdu Department, MY University, Islamabad شعبہ اُردو، مائی یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract:

In the twentieth hundred years, Urdu artistic analysis developed altogether, expanding on the fundamental work of prior illuminating presences like Altaf Hussain Hali, Shibli Nomani, and Muhammad Hussain Azad, whose spearheading endeavors laid the preparation for basic talk in Urdu writing.

"Altaf Hussain Hali" frequently viewed as a harbinger of present-day Urdu scholarly analysis, presented another time of abstract investigation with his work "Muqaddama-e-Sher-o-Shayari." Hali's basic methodology underlined the moral and social obligations of writing, asking writers to move past conventional structures and subjects to resolve contemporary social issues۔

"Shibli Nomani", a transcending figure in Urdu abstract analysis, carried an insightful thoroughness to the field with his basic life stories and scholarly narratives. His work "Sher-ul-Ajam," an extensive investigation of Persian verse, exhibited his strategic methodology, consolidating verifiable setting with scholarly examination.

"Muhammad Hussain Azad", another trailblazer, fundamentally added to the improvement of Urdu scholarly analysis through his verifiable and basic works, for example, "Aab-e-Hayat." This original text offered a definite history of Urdu verse, commending its development and featuring the commitments of key writers.

Expanding on the establishments laid by Hali, Shibli, and Azad, twentieth century Urdu scholarly analysis developed into a dynamic and complex field. Pundits like "Sajjad Zaheer" and "Ahmed Ali" of the Dynamic Scholars' Development accentuated the socio-political job of writing, upholding for authenticity and civil rights. "Muhammad Hasan Askari" scrutinized innovation and investigated existential and postcolonial topics, offering nuanced viewpoints on social character and scholarly style. "Shamsur Rahman Faruqi" changed the comprehension of traditional and current Urdu writing, giving new hypothetical systems and stylish standards.

In this fantastic embroidery of the twentieth 100 years, Urdu scholarly analysis arises as not simply a talk but rather a work, blending with the rhythm of cultural motion and the throbbing heartbeat of developing scholarly articulations, making a wonderful heritage that proceeds to move and resound across borders.

Keywords:

Urdu, Literature, Criticism, 20th, Century, Molana Shibli Nomani, Molana Altaf Hussain Hali, Muhammad Hussain Azad, Hassan Askari, Taraqi Pasand Tehreek, Faraq Ghorakpuri.

ادب، تاریخ اور سماج کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ صنفِ ادب کا تعلق کسی بھی زبان سے ہو، سماج ہی اُس کی بُنیاد ہوتا ہے اور یہی ادب پھر تاریخ کا حصہ بنتا ہے جس سے ہمیں متعلقہ زمانے کے سماج اور معاشرت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اُردو تنقید کو بیسویں صدی میں جاننے کے لیے اس کے آغاز اور ارتقا کا جائزہ لینا ہو گا۔

ڈاکٹر محمد خاں اشرف، ڈاکٹر عظمت رباب **"اصطلاحات تحقیق وتدوین"** میں لکھتے ہیں:-

"تنقید کے اصطلاحی معنی "ادب، علم اور فلسفہ کی وہ شاخ جو فنونِ لطیفہ کی تخلیقات میں امتیاز اور پرکھ کے ذریعے قدر بندی کا فریضہ انجام دیتی ہے"(۱)

تنقید کا بُنیادی وظیفہ فن کی ماہیت اور اس کی تعین قدر کے معروضی اصول وضوابط کی تشکیل اور فن پارہ کی داخلی اور خارجی ساخت کی تعبیر و تشریح ہے۔ بعض نظریہ سازوں نے فن پارہ کی تعین قدر میں موضوع یا مواد کو اساسی اہمیت دی ہے اور ادب کے حسن و قبح کی با تفصیل وضاحت تنقید کا بُنیادی سروکار ٹھہرایا ہے۔ تنقید کو آخری تجزیے میں اقداری فیصلوں، ویلیو اور ججمنٹ پر مبنی رائے زنی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ حُسین مجروح اپنے مضمون **"تنقید کی تلافی"** میں لکھتے ہیں:-

"تنقید ہماری زمین کا پودا نہیں تو کیا عجب کہ ہمارے ہاں تو مختصر افسانہ سے انشائیہ اور آزاد نظم سے ناول تک۔۔۔خیال و سخن کے بیش تر ذائقے، بدیشی مطبخوں کی دین ہیں البتہ یہ امر یقیناً قابلِ غور ہے کہ دیگر درآمدی پودے تو دیسی آب وہوا میں خوب برگ و بار لائے بلکہ ان میں سے چند ایک تو اپنی رنگت اور خوشبو میں اس قدر مقامائے گے کہ یہیں کے لگنے لگے۔ لیکن اللہ ماری تنقید، تیجی کی دُلہن کی طرح، اُردو ادب کے بھرے پرے آنگن میں، بولائی بولائی پھرتی ہے"(۲)

کسی بھی ادب میں تنقید کی ارتقا کا مطالعہ اس لئے مشکل ہو جاتا ہے کہ تخلیق اور تنقید کا آپس میں گہرا رشتہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تنقید کی ایک شکل تخلیق کے اندر بھی چُھپی ہوتی ہے۔ اور ہر ادب کی ابتدا میں اس کے نقوش مل جاتے ہیں۔ اسی لیے تنقید کے متعلق یہ رائے قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کا پہلا بانی کون تھا۔ شعر کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کے اولین نقوش "ملّا وجہی" کی مثنوی "قُطب مشتری" میں ملتے ہیں۔ وجہی نے خیالات کی ترسیل کے لیے مُناسب اور موزوں لفظیات اور طرزِ ادا کے توازن کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ شعر کی ماہیت اور اس کے حسن و قبح سے متعلق مجمل اشارے تذکروں میں جا بجا موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تنقید کو تذکرہ نگاری میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ تذکرے میں شاعری کی تاریخ پیش کی گئی ہے اور جہاں تک اُصولِ تنقید کے ارتقا کا سوال ہے ان تذکروں سے مدد ملتی ہے۔ اُردو شعراء سے متعلق پہلا تذکرہ میرؔ کا "نکات الشعراء" ہے۔ یہ تذکرہ ۱۷۵۲ء میں مرتب ہوا۔ اس کے بعد بھی بہت سے تذکرے لکھے گئے۔ تذکرے میں کسی مخصوص تنقیدی نقطۂ نظر کو رہنما نہیں بنایا جاتا ہے، اسی لیے ان تذکروں میں کسی تنقیدی اُصول کو تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تذکروں کی مدد سے اُردو شاعری کے ارتقا کو سمجھا جا سکتا ہے۔ ان میں جن شعراء کا تذکرہ ہے ان کی شاعری کی خُوبیوں اور خامیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ بُنیادی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تنقید کی ابتدا تذکرے سے ہوئی۔ ان تذکروں سے نہ صرف شعراء کے حالاتِ زندگی کا پتہ چلتا ہے بلکہ ان کے کلام کی خوبیوں اور خامیوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ یعنی یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تذکرے میں شاعری کے ظاہری فنی مسائل پہ بحث کی جاتی ہے۔ تذکرہ نگاری کی اپنی حدود ہیں ان میں جو تنقیدی جھلک ملتی ہے وہ اس وقت کے اہم ادبی شعور کا عکس ہیں۔

اُردو تنقید کا منظر نامہ ۱۸۷۵ء سے تبدیل ہوتا ہے۔ جس طرح دُوسرے اصناف میں تبدیلی ہوئی اسی طرح تنقید میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ حالیؔ اور آزادؔ جو کہ جدید نظم کے بانی بھی ہیں۔ اُنھوں نے نئے خیالات سے اُردو شاعری کو آشنا کیا۔ آزاد نے **"آبِ حیات"** لکھ کر اُردو تنقید کی ابتدا کی۔ لیکن اُردو تنقید کی باضابطہ ابتدا حالیؔ کی **"مقدمۂ شعر وشاعری"** سے ہوتی ہے، جس کی اشاعت کو ایک صدی سے زائد مُدت ہو چکی ہے۔ حالیؔ نے اُردو ادب میں پہلی بار شاعری کے بُنیادی اُصولوں کو منضبط کرنے کی کوشش کی اور ادب کی خارجی کائنات، قاری، شاعر اور اپنے داخلی اجزا سے متعلق رشتوں پر دلجمعی کے ساتھ گفتگو کی اور مختلف اصنافِ سخن کے مابہ الامتیاز عناصر کو بھی موضوعِ بحث بنایا۔ حالیؔ نے شعر کے نظریہ نقل کی تائید کی اور مقدمۂ شعر وشاعری میں سادگی، اصلیت اور جوش کو شعر کی اساسی خوبی ٹھہرایا۔ حالیؔ بُنیادی طور پر عینیت پرست تھے لہٰذا ان کے نزدیک **"شعر میں ایسی باتیں کی جانی چاہیں جیسی کہ ہمیشہ دُنیا میں ہُوا کرتی ہیں یا ہونی چاہیں"**۔ حالیؔ اصلیت کو شعر کی بُنیادی خُوبی قرار دینے کے باوجود عوامی حافظہ میں موجود عقائد کی نفی نہیں کرتے۔ حالیؔ کو ملٹن اور میکالے سے مستعار نظریات کا اتباع کرنے پر عام طور پر مطعون کیا جاتا ہے، مگر حالیؔ نے شعر کے حوالے سے لفظ اور معانی کے باہمی ربط کو یکسر نئے تناظر میں واضح کیا ہے۔ حالیؔ کا نظریہء تاثیر قاری یا سامع سے پورے طور پر مربوط ہے کہ ان کے نزدیک تاثیر محض شعر کی صفت نہیں بلکہ اس کا براہِ راست تعلق سامع سے ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

حالؔی مشرقی شعریات کے گہرے رمز شناس تھے مگر مغربی نظریات سے ان کی واقفیت قرارِ واقعی نہیں تھی مگر انُھوں نے ان کے نظریات کے اطلاقی نمونے بھی پیش کیے اور ایک نئی شعریات وضع کرنے کی کوشش کی جس کا خمیر مغربی نظریات سے اُٹھا ہے۔پروفیسر آلِ احمد سرور اپنے مضمون **"اُردو تنقید۔۔۔ایک جائزہ"** میں کہتے ہیں:

"سوال یہ ہے کہ اُردو میں تنقید کی اصطلاح پہلے کب اس صنف کے لیے استعمال ہوئی۔ عربی کا لفظ "نقد" تو پہلے سے موجود تھا۔انتقاد اور انتقادیات کو نیاز فتح پوری نے رواج دیا۔میرا خیال ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں "لسان الصدق" میں ایک مضمون میں ریویو اور تبصرہ پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا آزاد نے یہ لفظ استعمال کیا"(۳)

آزادؔ نے **"آبِ حیات"** میں اُردو شعراءاوران کے شاعری کا عہد بہ عہد تذکرہ کیا ہے لیکن ان کے پیشِ نظران کی پسند ناپسند بھی تھی۔ جن شعراء کو پسند کرتے تھے اُن کے بے جا تعریف بھی کی ہے اور جنھیں ناپسند کرتے تھے اُن کی خامیوں کو بھی نُمایاں کیا ہے، جو کہ سراسر تنقیدی اُصول کے خلاف ہے۔اس کے برعکس "آبِ حیات" اس لیے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں آزادؔ نے پہلی بار زبان کا ایک نیا نظریہ بھی پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ **"اُردو برج بھاشا سے نکلی ہے"** ان کے بعد آنے والے نقادوں نے **"آبِ حیات"** سے بہت استفادہ کیا ہے اور جیسے جیسے تنقیدی شعور پختہ ہو رہے تھے اس کی نشاندہی بھی کرنے لگے۔ آزادؔ اور حالیؔ دونوں ادب میں تبدیلی لانا چاہتے تھے۔ حالیؔ خاص طور سے شاعری کے اصلاحی اور افادی پہلو پر زور دیتے ہیں۔اس لحاظ سے حالیؔ کا نقطۂ نظر مختلف ہو جاتا ہے۔اور وہ شاعری میں سماجی شعور کی نشاندہی کرتے ہیں۔ **"مقدمہ شعر و شاعری"** نہ صرف حالیؔ کی، بلکہ اُردو کی مکمل تنقیدی کتاب ہے۔اس میں حالیؔ نے شعر کہنے کے اُصول وضوابط طے کیے اور یہ کہا کہ شعر کے لیے سادگی، اصلیت اور جوش ضروری ہیں۔اسی طرح شعراء کے لیے بھی اُنھوں نے تین چیزوں تخیل، مطالعہ ءکائنات اور انتخابِ الفاظ یا تفحصِ الفاظ (یعنی الفاظ کا صحیح استعمال) کو ضروری قرار دیا ہے۔

شبلی نعمانی نے شعر وادب کی نظری اور فکری اساس اور اس کی اطلاقی صورتوں کو اپنی توجہ کا ہدف بنایا۔ان کی مبسوط تصنیف **"شعر العجم"** ادبی تنقید کا ایک قابل قدر نمونہ ہے۔ شبلی کو عموماً مشرقی شعریات اور علم بدیع کا سب سے بڑا عارف سمجھا جاتا ہے اور یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ **"شعر العجم"** کا بنیادی مقصد مشرقی علی الخصوص فارسی شاعری کو انگریزی داں طبقوں کے لیے قابل قبول بنا کر پیش کرنا تھا۔ شبلی کے تصورِ تخیل کو عموماً **"کولرج"** سے مستعار ٹھہرایا جاتا ہے اور بیشتر نقادوں کو شبلی کی فکر پر جمالیات کے سائے لرزاں نظر آئے۔ شبلی نے ادب کی ماہیت، ادبی تخلیق کے مابہ الامتیاز فنّی محاسن، شاعر کے تصورِ کائنات کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔انُھوں نے مشرقی شاعری کا دفاع مشرقی تصورات اور شعریات کے تناظر میں کیا ہے۔ان کا طریقہِ استدلال مغرب کے تجربی فلسفیوں سے بڑی حد تک مماثل ہے۔ شبلی نے اپنے تنقیدی نظریے کی تشکیل میں **"کولرج"** کے ساتھ ساتھ **"جان اسٹورٹ مل"** اور **"ولیم ہیزلٹ"** جیسے انگریز نقادوں سے ان کے خیالات والفاظ مستعار لیے ہیں۔ گو کہ مل اور ولیم باضابطہ طور پر ادبی نقاد نہیں تھے۔ شافع قدوائی اپنے مضمون **"بیسویں صدی میں اُردو تنقید: ہندوستانی تناظر"** میں لکھتے ہیں کہ نوجوان نقاد ڈاکٹر خورشید احمد نے اپنے مضمون **"شبلی، شعر العجم اور پیروی مغربی"** میں شبلی کے نسبتاً کم معروف ماخذوں کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"نقاد جب شبلی کے تنقیدی مسلک کی بات کرتے ہیں تو یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ شبلی کے تصورِ تخیل میں کولرج کے تصورات کی کارفرمائی نظر آتی ہے یہ حضرات دیگر انگریزی مصنفوں کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے۔ حالانکہ شبلی نے اپنے تنقیدی نظریے کی تشکیل میں دوسرے انگریزی مصنفوں سے بھی کافی مدد لی"(۴)

"شعر العجم" کے علاوہ شبلی کی دُوسری گرانقدر تصنیف **"موازنہ انیس و دبیر"** بھی ہے، جس میں شبلی نے مرثیہ کی صنفی خصوصیات اور انیس کے شعری وفنی محاسن وقت نظر کے ساتھ واضح کیے ہیں۔ **"موازنہِ میر انیس اور مرزا دبیر"** نہ صرف اُردو تنقید بلکہ تجزیاتی اور عملی تنقید کا نقشِ اوّل بھی ہے۔

محمد حُسین آزادؔ، حالیؔ اور شبلی نعمانی، یہ تینوں نقاد عملی تنقید کی طرف متوجہ ہوئے۔انُھوں نے مختلف شعراء کے کلام کا تجزیہ کیا۔ عملی تنقید کے ذریعے کئی اصناف کے حدود اور امکانات کی چھان بین بھی ان نقادوں نے بڑی خوبی سے کی ہے۔اس طرح سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اُردو تنقید کی ابتدا اُنیسویں صدی کے آخری اور بیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں ہوئی۔ یہی زمانہ ہندوستان کی دُوسری زبانوں میں بھی تنقید کی ابتدا کا ہے۔ حالیؔ نے جس طرح سے تنقیدی شعور کا ثبوت پیش کیا ہے وہ انہیں اپنے عہد کے دُوسرے نقادوں سے ممتاز کرتا ہے اور یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حالیؔ نے تنقید کی نئی راہوں کو تلاش کیا۔ سماجی نقطۂ نظر سے بھی حالیؔ نے اظہارِ خیال کیا ہے۔ جمالیاتی پہلوؤں کو شبلی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

کے یہاں تلاش کیا جاسکتا ہے۔یہی وہ دور ہے جب شعر وادب کے سماجی پہلوؤں اور جمالیاتی پہلوؤں پر توجہ دی گئی۔ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نقاد بعد میں نظر آتے ہیں جن میں امداد امام اثر، سلیم پانی پتی، مہدی افادی، سلمان انصاری، رشید احمد صدیقی، عبدالحق، عظمت اللہ خان اور دُوسرے نقادوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔تاریخی رجحان کی جھلک عبدالحق، سلمان ندوی کے یہاں ملتی ہے۔جمالیاتی اور تاثراتی انداز مہدی افادی، عبدالرحمٰن بجنوری اور سجاد انصاری کے یہاں دکھائی دیتی ہے۔نفسیاتی پہلو عبدالماجد دریا بادی، عظمت اللہ اور ڈاکٹر زور کی بعض تنقید میں نظر آتے ہیں۔امداد امام اثر نے **"کاشف الحقائق"** میں شاعری کی ماہیت پر غور کرتے ہوئے اسے عقلی اور جذباتی خانوں میں منقسم کیا اور لفظیات کی تازہ کاری اور اسلوب کی صلابت پر اصرار کیا۔عبدالرحمان نے **"مراۃ الشعر"** میں لفظ اور معنی کے باہمی ربط پر تفصیلی گفتگو کی اور عربی شعریات کے حوالے سے واضح کیا کہ موضوع یا مفہوم تو پرانا ہوتا ہے تاہم لفظیات کی سطح پر تازگیِ کلام کی مقبولیت کی ضامن ہوتی ہے۔

ترقی پسند تحریک کے آغاز سے قبل اُردو میں رومانی میلان پوری توانائی کے ساتھ برگ وبار لایا۔ تخلیقی ادب سے قطع نظر تنقید کی سطح پر تاثراتی رومانی تنقید کی سب سے اچھی مثال عبدالرحمان بجنوری کی تصنیف **"مقدمہ کلام محاسنِ غالبؔ"** ہے۔انُھوں نے غالب کے اشعار کے تجزیاتی مطالعہ سے عموماً گریز کرتے ہوئے غالبؔ کے کلام کے قدر شناسی کے ضمن میں بعض مبہم، سیّال اور غیر متعین اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالرحمان بجنوری تنقید کو مابعد الطبیعیات اور جمالیات کی ایک ضمنی شاخ تصور کرتے تھے۔

۱۹۳۶ء کے بعد جب ترقی پسند تحریک زوروں پر تھی مارکسی تنقید نے اپنا قدم جمایا۔اس عہد میں مارکسی نظریے کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی جس کے تحت طبقاتی کشمکش اور انقلاب کو سامنے رکھ کر ادب کے مسائل پر غور کیا گیا۔اور اس سلسلے کا پہلا مضمون اختر حُسین رائے پوری کا **"ادب اور زندگی"** تھا جو ۱۹۳۵ میں لکھا گیا تھا۔ اختر حسین رائے پوری کا خیال ہے کہ ادب اور انسانیت کے مقاصد ایک ہیں۔ادب زندگی کا ایک شعبہ ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ مادی سرزمین میں جذباتِ انسانی کی تشریح وتفسیر کرتے ہوئے روح القدس بننے اور عرش پر جا کر بیٹھنے کا دعویٰ کرے۔ادب کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ ان جذبات کی ترجمانی کرے جو دنیا کو ترقی کی راہ دکھائیں اور ان جذبات پر نفرین کرے جو دنیا کو آگے بڑھنے نہیں دیتے۔

اس کے بعد سجاد ظہیر کا ذکر آتا ہے۔ سجاد ظہیر ترقی پسند تنقیدی تحریک کے بانیوں میں سے ہیں۔انھوں نے ترقی پسند تحریک کو نظریاتی اساس مہیا کی اور پھر عمدہ وکالت سے اس تحریک کی سب سے نمایاں خدمات انجام دیں۔ان کی کتاب **"روشنائی"** ترقی پسند تحریک کی تاریخ بھی ہے اور کسی حد تک تنقید بھی ہے۔ سجاد ظہیر اردو کے پہلے نقاد ہیں جن کے مضامین مارکسی تنقید کے آئینہ دار ہیں۔ سجاد ظہیر نے صرف چند مضامین لکھے ہیں، بقول عبادت بریلوی ان مضامین میں ایسی گہرائی ہے جس نے تنقیدی اعتبار سے ان کو بہت اہم بنادیا ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر عبدالحلیم نے چند تنقیدی مضامین لکھے ہیں۔اور ان مضامین میں مارکسی تنقید کا نظریہ پوری طرح پیش کیا ہے۔اس سلسلے میں ان کے مضامین **"ادبی تنقید کے بنیادی اصول"** اور **"اردو ادب کے رجحانات"** قابل ذکر ہیں۔اس کے علاوہ مارکسی تنقید کی عملی شکل کے نمونے ان کے مضامین **"اردو ادب کے رجحانات"** اور **"ترقی پسند ادب کے بارے میں چند غلطیاں"** میں ملتے ہیں۔

ان کے علاوہ مجنوں گورکھپوری کی ابتدائی تنقید تحریریں جو **"تنقید حاشیے"** کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہیں، تاثراتی تنقید کا انداز نمایاں ہے۔بعد میں ان میں مارکسی تنقید کے اثرات غالب نظر آئے جیسے ان کے دوسرے مجموعہ مضامین **"ادب اور زندگی"**، **"مبادیاتِ تنقید"**، **"زندگی اور ادب کا بحرانی دور"** اور **"ادب اور ترقی"** میں انھوں نے اپنے قائم کردہ تنقید نظریات کی روشنی میں عملی تنقید کی ہے۔

اس لحاظ سے سید احتشام حسین مارکسی نقادوں میں سب سے معتبر اور معتدل نقاد تھے۔انھوں نے نہ صرف مارکسی تنقید کو اساس بنایا بلکہ اسے زندگی کے طرز عمل کے طور پر قبول بھی کیا۔ تنقید ان کا خاص میدان ہے۔اور ان کی تمام تر توجہ اسی فن کی طرف رہی ہے۔ سید احتشام حسین کے تنقید مضامین کے جو مجموعے شائع ہو چکے ہیں ان میں **"تنقیدی جائزے"** **"روایت اور بغاوت"** **"ادب اور سماج"** **"تنقید اور عملی تنقید"** **"ذوق، ادب اور شعور"** **"افکار و مسائل"** اور **"عکس اور آئینے"** شامل ہیں۔

اس کے علاوہ ممتاز حسین بھی مارکسی رجحان کے علمبر دار ہیں۔ان کے مضامین کے تین مجموعے **"نقدِ حیات، نئی قدریں اور ادبی مشاغل"** شائع ہو چکے ہیں۔ ممتاز حسین کے بھی بعض مضامین میں اصولوں کی بحث ہے جبکہ کچھ علمی تنقید کے متعلق ہے۔ان کے مضامین تنقید کا مارکسی نظریہ، بدلتی نفسیات، انفعالی رومانیت، آرٹ اور حقیقت اور نیا ادبی فن، وغیرہ میں اصولی اور نظریاتی بحثیں ہیں جبکہ **"نئی غزل کا موجد۔۔حالی" "اردو شاعری کا مزاج اور غالب" "سرسید کا تاریخی کارنامہ" اقبال اور تصوف** وغیرہ تنقیدی تجزیے ہیں۔

ترقی پسند نقادوں میں ظہیر کاشمیری نے ادب کو سماج کے طبقاتی نظام کے حوالے سے پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ان کے دو اہم مضامین **"لینن اور لٹریچر" اور "مارکس کا نظریہ ادب"** ہیں۔ان کے تنقیدی لہجے میں خطابت کا عنصر نمایاں ہے اور فیصلے میں تیقن اور قطعیت زیادہ ہے۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر عبادت بریلوی کا طریق عمل سائنسی، انداز منطقی اور اسلوب جمالیاتی ہے۔ عبادت بریلوی قاری پر یورش کرنے کی بجائے اسے ادب پارے کی افادیت اور داخلی حسن کی طرف متوجہ کراتے ہیں۔ عبادت بریلوی نے محدود موضوعات پر کام کرنے کی بجائے تنقید کو وسعت عطا کی اور اردو شاعری میں ہیئت کے تجربے، اردو شاعری کی جدید رجحانات، ادب کا افادی پہلو، جدید اردو شاعری میں عریانی، اردو افسانہ نگاری پر ایک نظر، وغیرہ مضامین میں سیر حاصل جائزے مرتب کیے۔

ایک اہم نام سید وقار عظیم بھی ہے۔ سید وقار عظیم کی تنقید سماجی اور عمرانی تجزے پر استوار ہوئی۔ وقار صاحب کے تنقیدی اسلوب میں بڑی نرمی، دھیما پن اور توازن ہے، ساتھ ہی پختگی اور دل نشینی بھی ہے جو چونکا دینے والی بات کہنے کے شائق نہیں اور نہ ان کی تنقید میں کوئی تیکھا پن یا شوخی ملتی ہے۔ سادگی، سلاست، آہستہ روی اور ذرا سی رنگینی ان کے انداز کی خصوصیات ہیں۔

اس کے بعد احمد علی، ڈاکٹر عبدالعلیم، احتشام حسین وغیرہ نے مارکسی تنقید کو آگے بڑھایا اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ تنقید محض تاثراتی نہیں بلکہ نظریاتی بھی ہونی چاہیے۔اس دور میں بہت سے نقاد سامنے آئے اور انُھوں نے اپنے اپنے طور پر مارکسی تنقید پیش کرنے کی کوشش کی جن میں ممتاز حسین، اعجاز حسین، عبادت بریلوی، سردار جعفری، ظہیر کاشمیری، خلیل الرحمٰن اعظمی، محمد حسن اور قمر رئیس وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔اس عہد میں بعض ایسے نقاد بھی سامنے آئے جن کا تعلق ترقی پسند تنقید سے نہیں تھا ان میں رشید احمد صدیقی، وقار عظیم، اختر اورینوی، خواجہ احمد فاروقی، کلیم الدین احمد، نور محمد عسکری وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں جنھوں نے ترقی پسند تنقید سے الگ راستہ اپنایا اور نفسیاتی تنقید و جمالیاتی تنقید پر توجہ دی۔ شافع قدوائی اپنے مضمون **"بیسویں صدی میں اُردو تنقید: ہندوستانی تناظر"** میں لکھتے ہیں:-

"ادب کو زندگی کا ترجمان اور اسے بہتر بنانے کا وسیلہ گردانا ترقی پسند تنقید کا بُنیادی سروکار تھا"(۵)

چوتھی دہائی کے اوائل میں ہی ترقی پسند تحریک کے متوازی ایک اور ادبی رُجحان اُبھرا جس کی شیرازہ بندی حلقہ ءاربابِ ذوق سے وابستہ ادیبوں نے کی۔ حلقہ اربابِ ذوق کے عناصرِ ثلاثہ میں شامل میراجی نے ترقی پسند تصورِ ادب کو قبول نہیں کیا اور مختلف شعراء کی نظموں کے تجزیاتی مطالعے کی وساطت سے ایک نئے زاویہ نظر کے نقوش اُجاگر کیے۔ ۱۹۴۴ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب **"اس نظم میں"** میراجی نے نظری مباحث اور اطلاقی صورتوں دونوں میں شعریات کی کلاسیکی روایات سے، جو آفاقی ادبی اقدار کو موضوعِ بحث بناتی ہے، صرفِ نظر کرتے ہوئے ثقافتی تشخص پر اصرار کیا ہے جو نئے تنقیدی ڈسکورس کی اساس ہے۔انُھوں نے اپنی تنقیدی تحریروں میں مقامیت کو فن پارہ کی قدر شناسی کا بُنیادی حوالہ بنایا۔

فراق گھور کھپوری کی تنقید انتخابی تنقید کی بہترین مثال ہے۔ انُھوں نے عشقیہ شاعری کی ماہیت اور اس کے مضمرات کو بھی دقت نظر کے ساتھ واضح کیا۔ محمد حسن عسکری نے اُردو تنقید کو نظری اور عملی دونوں سطحوں پر ایک نئے منطقے سے روشناس کرایا۔ان کے نزدیک اُردو کی ادبی روایت اصلاً دینی روایت کی تابع ہے۔ پانچویں اور چھٹی دہائی میں عسکری نے **لیوی اسٹراؤس، سوسیر اور فوکو** کے تصورات کو زیرِ بحث لایا۔ آلِ احمد سرور نے ایک مرکب تنقیدی نظام مرتب کیا جو فہم عامہ سے مستعار ادب کے تصور سے گہری مطابقت رکھتا ہے۔ کلیم الدین احمد نے اُردو شاعری کی مقبول ترین صنف غزل کو برملا ہدف بنا کر ادبی دُنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ **"اُردو شاعری پر ایک نظر اور اُردو تنقید پر ایک نظر"** کلیم الدین احمد کے انتہا پسندانہ تنقیدی موقف کی نشاندہی کرتی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ترقی پسند تنقید کے بعد جدیدیت کا دور آتا ہے جو ۱۹۶۰ء کے بعد کا زمانہ ہے اس میں ترقی پسند تحریک کے خلاف ایک نیا رجحان سامنے آیا جسے جدیدیت کا نام دیا گیا۔ اس دور میں سب سے بڑا نام شمس الرحمٰن فاروقی اور گوپی چند نارنگ کا ہے۔ شمس الرحمان فاروقی نے ادبی اقدار کی بحالی کو اوّلین اہمیت دی۔ ان کا سب سے خیال انگیز مضمون **"شعر، غیر شعر اور نثر"** ہے۔ جب کہ ان کا اصل کارنامہ میر تقی میرؔ کے کلام کا مبسوط مطالعہ **"شعر شور انگیز"** کی چار جلدیں ہیں۔ گوپی چند نارنگ کا شُمار ہیئتی اور اُسلوبیاتی تنقید کے بُنیاد گزاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے گرانقدر علمی اور تحقیقی کتاب **"ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اُردو مثنویاں"** ہے۔

اس کے بعد باقر مہدی، وہاب اشرفی، قاضی افضال حسین اور نظام صدیقی کا نام اہم ہے۔ وہاب اشرفی ہیئتی تنقید کے ماڈل سے استفادہ کرتے ہیں۔ وہ مابعد جدید تنقید کے تصورات سے بھی کماحقہ واقف ہیں۔ ان کا مضمون **"مابعد جدیدیت"** نتائج کے استخراج کے حوالے سے اہم ہے۔ اس کے بعد کا عہد مابعد جدید دور کہلاتا ہے۔ جس میں ہم ابھی سانس لے رہے ہیں۔ مابعد جدیدیت کی شروعات گوپی چند نارنگ نے کی اور اس کے بعد مابعد جدید تنقیدی کی پوری ایک نسل آ جاتی ہے جن میں شمیم حنفی، عتیق اللہ، ابوالکلام قاسمی اور شافع قدوائی وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے جس میں انیس شفیق، خورشید احمد، عقیل احمد صدیقی، سلیم شہزاد، مہدی جعفر وغیرہ کے نام آتے ہیں۔

ماحاصل:

اُردو شعراء سے متعلق پہلا تذکرہ میرؔ کا **"نکات الشعراء"** ہے۔ یہ تذکرہ ۱۷۵۲ء میں مرتب ہوا۔ اس کے بعد بھی بہت سے تذکرے لکھے گئے۔ اُردو تنقید کا منظر نامہ ۱۸۵۷ء سے تبدیل ہوتا ہے۔ جس طرح دُوسرے اصناف میں تبدیلی ہوئی اسی طرح تنقید میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ آزاد نے **"آبِ حیات"** لکھ کر اُردو تنقید کی ابتدا کی۔ لیکن اُردو تنقید کی باضابطہ ابتدا حالیؔ کی **"مقدمہِ شعر و شاعری"** سے ہوتی ہے۔ حالیؔ نے اُردو ادب میں پہلی بار شاعری کے بُنیادی اُصولوں کو منضبط کرنے کی کوشش کی اور ادب کی خارجی کائنات، قاری، شاعر اور اپنے داخلی اجزا سے متعلق رشتوں پر دلجمعی کے ساتھ گفتگو کی اور مختلف اصنافِ سخن کے مابہ الامتیاز عناصر کو بھی موضوعِ بحث بنایا۔

آزادؔ نے **"آبِ حیات"** میں اُردو شعراء اور ان کے شاعری کا عہد بہ عہد تذکرہ کیا ہے لیکن ان کے پیشِ نظر ان کی پسند ناپسند بھی تھی۔ جن شعراء کو پسند کرتے تھے اُن کے بے جا تعریف بھی کی ہے اور جنھیں ناپسند کرتے تھے اُن کی خامیوں کو بھی نُمایاں کیا ہے، جو کہ سراسر تنقیدی اُصول کے خلاف ہے۔ اس کے برعکس **"آبِ حیات"** اس لیے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں آزادؔ نے پہلی بار زبان کا ایک نیا نظریہ بھی پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ **"اُردو برج بھاشا سے نکلی ہے"** ان کے بعد آنے والے نقادوں نے **"آبِ حیات"** سے بہت استفادہ کیا ہے۔ **"مقدمہِ شعر و شاعری"** نہ صرف حالیؔ کی، بلکہ اُردو کی مکمل تنقیدی کتاب ہے۔ اس میں حالیؔ نے شعر کہنے کے اُصول وضوابط طے کیے اور یہ کہا کہ شعر کے لیے سادگی، اصلیت اور جوش ضروری ہیں۔ اسی طرح شعراء کے لیے بھی انُھوں نے تین چیزوں تخیل، مطالعہ ٔ کائنات اور انتخابِ الفاظ یا تفحصِ الفاظ (یعنی الفاظ کا صحیح استعمال) کو ضروری قرار دیا ہے۔

شبلی نعمانی نے شعر و ادب کی نظری اور فکری اساس اور اس کی اطلاقی صورتوں کو اپنی توجہ کا ہدف بنایا۔ ان کی مبسوط تصنیف **"شعر العجم"** ادبی تنقید کا ایک قابل قدر نمونہ ہے۔ شبلی کو عموماً مشرقی شعریات اور علم بدیع کا سب سے بڑا عارف سمجھا جاتا ہے اور یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ **"شعر العجم"** کا بُنیادی مقصد مشرقی علی الخصوص فارسی شاعری کو انگریزی داں طبقوں کے لیے قابل قبول بنا کر پیش کرنا تھا۔ **"شعر العجم"** کے علاوہ شبلی کی دُوسری گرانقدر تصنیف **"موازنہِ انیس و دبیر"** بھی ہے، جس میں شبلی نے مرثیہ کی صنفی خصوصیات اور انیس کے شعری و فنی محاسن وقت نظر کے ساتھ واضح کیے ہیں۔ **"موازنہِ میر انیس اور مرزا دبیر"** نہ صرف اُردو تنقید بلکہ تجزیاتی اور عملی تنقید کا نقشِ اوّل بھی ہے۔

یُوں اُردو تنقید کی ابتدا اُنیسویں صدی کے آخری اور بیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں ہوئی ۔ حالیؔ نے جس طرح سے تنقیدی شعور کا ثبوت پیش کیا ہے وہ انھیں اپنے عہد کے دُوسرے نقادوں سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نقاد بعد میں نظر آتے ہیں جن میں امداد امام اثر، سلیم پانی پتی، مہدی افادی، سلمان انصاری، رشید احمد صدیقی، عبدالحق، عظمت اللہ خان اور دُوسرے نقادوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخی رجحان کی جھلک عبدالحق، سلمان ندوی کے یہاں ملتی ہے۔ جمالیاتی اور تاثراتی انداز

مہدی افادی، عبدالرحمٰن بجنوری اور سجاد انصاری کے یہاں دکھائی دیتی ہے۔ نفسیاتی پہلو عبدالماجد دریابادی، عظمت اللہ اور ڈاکٹر زور کی بعض تنقید میں نظر آتے ہیں۔ امداد امام اثر نے **"کاشف الحقائق"** میں شاعری کی ماہیت پر غور کرتے ہوئے اسے عقلی اور جذباتی خانوں میں منقسم کیا اور لفظیات کی تازہ کاری اور اسلوب کی صلابت پر اصرار کیا۔ عبدالرحمان نے **"مراۃ الشعر"** میں لفظ اور معنی کے باہمی ربط پر تفصیلی گفتگو کی اور عربی شعریات کے حوالے سے واضح کیا کہ موضوع یا مفہوم تو پرانا ہوتا ہے تاہم لفظیات کی سطح پر تازگیِ کلام کی مقبولیت کی ضامن ہوتی ہے۔ تخلیقی ادب سے قطع نظر تنقید کی سطح پر تاثراتی رومانی تنقید کی سب سے اچھی مثال عبدالرحمان بجنوری کی تصنیف **"مقدمہ کلام محاسن غالب"** ہے۔

۱۹۳۶ء کے بعد جب ترقی پسند تحریک زوروں پر تھی مارکسی تنقید نے اپنا قدم جمایا۔ اس عہد میں مارکسی نظریے کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی جس کے تحت طبقاتی کشمکش اور انقلاب کو سامنے رکھ کر ادب کے مسائل پر غور کیا گیا۔ اور اس سلسلے کا پہلا مضمون اختر حُسین رائے پوری کا **"ادب اور زندگی"** تھا جو ۱۹۳۵ میں لکھا گیا تھا۔ ترقی پسند تحریک کے دیگر نقادوں میں سجاد ظہیر، ڈاکٹر عبدالحلیم، مجنوں گورکھپوری، سید احتشام حسین، ممتاز حسین، ظہیر کاشمیری، ڈاکٹر عبادت بریلوی، سید وقار عظیم، ڈاکٹر محمد حسن، عابد منٹو، عزیز الحق، افتخار جالب، محمد علی صدیقی اور سعادت سعید قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ احمد علی، ڈاکٹر عبدالعلیم، احتشام حسین وغیرہ نے مارکسی تنقید کو آگے بڑھایا۔ اس دور میں بہت سے نقاد سامنے آئے اور انُھوں نے اپنے اپنے طور پر مارکسی تنقید پیش کرنے کی کوشش کی جن میں ممتاز حسین، اعجاز حسین، عبادت بریلوی، سردار جعفری، ظہیر کاشمیری، خلیل الرحمٰن اعظمی، محمد حسن اور قمر رئیس وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس عہد میں بعض ایسے نقاد بھی سامنے آئے جن کا تعلق ترقی پسند تنقید سے نہیں تھا ان میں رشید احمد صدیقی، وقار عظیم، اختر اورینوی، خواجہ احمد فاروقی، کلیم الدین احمد، نور محمد عسکری وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں جنھوں نے ترقی پسند تنقید سے الگ راستہ اپنایا اور نفسیاتی تنقید و جمالیاتی تنقید پر توجہ دی۔

۱۹۴۴ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب "اس نظم میں" میراجی نے نظری مباحث اور اطلاقی صورتوں دونوں میں شعریات کی کلاسیکی روایات سے، جو آفاقی ادبی اقدار کو موضوعِ بحث بناتی ہے، صرفِ نظر کرتے ہوئے ثقافتی تشخص پر اصرار کیا ہے۔ فراق گھور کھپوری کی تنقید انتخابی تنقید کی بہترین مثال ہے۔ انُھوں نے عشقیہ شاعری کی ماہیت اور اس کے مضمرات کو بھی دقت نظر کے ساتھ واضح کیا۔ محمد حسن عسکری نے اُردو تنقید کو نظری اور عملی دونوں سطحوں پر ایک نئے منطقے سے روشناس کرایا۔ ان کے نزدیک اُردو کی ادبی روایت اصلاً دینی روایت کی تابع ہے۔ آلِ احمد سرور نے ایک مرکب تنقیدی نظام مرتب کیا جو فہم عامہ سے مستعار ادب کے تصور سے گہری مطابقت رکھتا ہے۔ کلیم الدین احمد نے اُردو شاعری کی مقبول ترین صنف غزل کو برملا ہدف بنا کر ادبی دُنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ **"اُردو شاعری پر ایک نظر اور اُردو تنقید پر ایک نظر"** کلیم الدین احمد کے انتہا پسندانہ تنقیدی موقف کی نشاندہی کرتی ہے۔

ترقی پسند تنقید کے بعد جدیدیت کا دور آتا ہے جو ۱۹۶۰ء کے بعد کا زمانہ ہے اس میں ترقی پسند تحریک کے خلاف ایک نیا رجحان سامنے آیا جسے جدیدیت کا نام دیا گیا۔ اس دور میں سب سے بڑا نام شمس الرحمٰن فاروقی اور گوپی چند نارنگ کا ہے۔ شمس الرحمان فاروقی نے ادبی اقدار کی بحالی کو اوّلین اہمیت دی۔ ان کا سب سے خیال انگیز مضمون **"شعر، غیر شعر اور نثر"** ہے۔ جب کہ ان کا اصل کارنامہ میر تقی میرؔ کے کلام کا مبسوط مطالعہ **"شعر شور انگیز"** کی چار جلدیں ہیں۔ گوپی چند نارنگ کا شُمار ہیئتی اور اُسلوبیاتی تنقید کے بُنیاد گزاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے گرانقدر علمی اور تحقیقی کتاب **"ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اُردو مثنویاں"** ہے۔

اس کے بعد باقر مہدی، وہاب اشرفی، قاضی افضال حسین اور نظام صدیقی کا نام اہم ہے۔ وہاب اشرفی ہیئتی تنقید کے ماڈل سے استفادہ کرتے ہیں۔ وہ مابعد جدید تنقید کے تصورات سے بھی کماحقہ واقف ہیں۔ ان کا مضمون **"مابعد جدیدیت"** نتائج کے استخراج کے حوالے سے اہم ہے۔ اس کے بعد کا عہد مابعد جدید دور کہلاتا ہے۔ جس میں ہم ابھی سانس لے رہے ہیں۔ مابعد جدیدیت کی شروعات گوپی چند نارنگ نے کی اور اس کے بعد مابعد جدید تنقید کی پوری ایک نسل آ جاتی ہے جن میں شمیم حنفی، عتیق اللہ، ابوالکلام قاسمی اور شافع قدوائی وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے جس میں انیس شفیق، خورشید احمد، عقیل احمد صدیقی، سلیم شہزاد، مہدی جعفر وغیرہ کے نام آتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

کتابیات:

۱۔اصطلاحات تحقیق وتدوین،ڈاکٹر محمد خاں اشرف،ڈاکٹر عظمت رباب،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۷،ص۱۷۸

۲۔ حُسین مجروح،"تنقید کی تلافی"مشمولہ لا تنقید(حالا نثرِ مابشنو)کلیاتِ نثر(جلد اوّل)مرتبہ ظفر اقبال،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۴،ص۱۶

۳۔پروفیسر آلِ احمد سرور،اُردو تنقید۔۔۔ایک جائزہ،مشمولہ اُردو تنقید(انتخاب مقالات)مرتبہ اشتیاق احمد،مکتبہ تعمیرِ النسانیت،لاہور،طبعِ اول،اگست۲۰۰۹،ص۴۸۸

۴۔شافع قدوائی،بیسویں صدی میں اُردو تنقید،مشمولہ بیسویں صدی میں اُردو ادب،مرتبہ گوپی چند نارنگ،ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی،۲۰۰۲ص ۲۶۲

۵۔شافع قدوائی،بیسویں صدی میں اُردو تنقید،ص۲۶۵